

مولانا احمد علی لاہوری کے ترجمہ قرآن کا مطالعہ

حافظ محمد سعید احمد *

عبداللہ **

اردو، برصغیر کی ایک ایسی زبان ہے جس میں عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کی اسلامی روایت موجود ہے اس طرح ”بین الاسلامی“ لسانی اثرات کے سبب اس زبان میں ایک علمی وقار، رچاؤ اور ٹھہراو آ گیا ہے۔ اور ساتھ ہی مقامی ہندی زبانوں سے اخذ واستفادہ کے سبب یہ ایک سہل اور روائی زبان بن گئی ہے۔ اس شاندار لسانی پس منظر کے باعث اردو میں ہر مضمون کو ادا کرنے کی اہمیت اور صلاحیت پیدا ہو گئی ہے۔

دینی پہلو سے دیکھیں تو یہ زبان بہت بااثر واقع ہوئی ہے۔ اسلامی علوم کے تراجم و تشریحات اور اشاعت و خدمت دین کا جو شرف اس زبان کو حاصل ہوا ہے اتنی کم مدت میں اس قدر سرعت اور پھیلاو شاید ہی کسی غیر عربی زبان کو میسر آیا ہو۔ گویا دیار ہند میں اس ”مومنہ“ زبان کی دین کی تعلیم تفہیم تسهیل اور تشریح و توضیح کے لئے خدمات ہمہ جہت اور ہمہ پہلو ہیں۔ یہ زبان دعوت اور تبلیغ کے میدان میں بھی پیش پیش رہی اور اس نے ہر داعی دین کو اپنے سبک و رواں لمحہ والسلوب کے باعث ایک آسانی مہیا کی۔

میدان دعوت میں بالعموم سابقہ عوام الناس سے پڑتا ہے انہیں عقائد و احکام دینیہ سے روشناس کروانا ہوتا ہے اسلئے آیات قرآنیہ کا ترجمہ و مفہوم پیش کرنا گویا دعوت کی بنیاد ہے پھر جب کوئی نو مسلم دائرہ اسلام میں آ جاتا ہے تو قرآن مجید سے اس کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ مطلق تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کے اردو مفہوم کی طلب ایک ضرورت بنتی جاتی ہے۔ نتیجتاً اس زبان میں ترجمے کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔

اردو زبان ابتداء ہی سے مومنہ و موحدہ رہی ہے۔ دعوت و تبلیغ دین میں اس کا بنیادی کردار ہے۔ اس لئے اس زبان میں تراجم قرآن جزوی طور پر اول زمانہ ہی سے شروع ہو گئے تھے۔ تاریخ میں ان تراجم کے نمونے ملتے ہیں۔

”اردو میں قرآن کے تراجم اور تفاسیر کا سلسلہ سوانحیں صدی عیسوی کی آخری دہائی یعنی دسویں

صدی ہجری سے شروع ہو گیا تھا“ (۱)

* اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج شاہدرہ، راوی روڈ، لاہور، پاکستان۔

** یک پھر ارشعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور کینٹ، لاہور، پاکستان۔

تاریخی اعتبار سے محمد باقر فضل اللہ حیدر آبادی نے ۱۹۳۷ء میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا پھر مراد اللہ انصاری سنبلی نے قرآن کے تیسے پارے کی تفسیر لکھی جس کی تکمیل ۱۹۴۷ء میں ہوئی جو تفسیر مرادی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ فارسی اور عربی کے الفاظ سے ملتو ترجمہ جس میں اردو کا حصہ خاصاً کم تھا وہ قاضی محمد معظم سنبلی کا ہے۔ (۲)

اس کے بعد ترجم قرآن مجید کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اس میں مکمل ترجم کے ساتھ کچھ سورتوں کے ترجم بھی کیے گئے جن کا زمانہ ۱۹۷۱ء / ۱۳۳۱ھ کا ہے۔ (۳)

شah ولی اللہ کے ترجمہ کی بنیادی حیثیت:

ان ابتدائی کاؤشوں کے بعد ترجمہ قرآن کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ اردو کا فارسی کے ساتھ گہرالسانی و تاریخی رشتہ ہے۔ اس عہد میں عربی کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں فارسی الفاظ بکثرت استعمال ہوتے تھے۔ اس لئے اردو ترجم قرآن کی بنیاد میں فارسی کی مساعدت نازر تھی۔ اور اس میدان میں اہل ہند کے لئے فارسی زبان میں حضرت شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۹۶۲ھ) کا ترجمہ مینارہ نور کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ یہی ترجمہ اردو ترجم کی اصل ٹھہرا۔ اور اسی کو بنیاد بنا کر اردو میں ترجم کیے گئے۔ اس پہلو سے دیکھیں تو اس ترجمہ قرآن نے عوامِ الناس میں قرآن فہمی کا ایک ذوق پیدا کر دیا اور لوگ قرآن کریم کے قریب تر ہونے لگے۔

مولانا سعود عالم قاسمی لکھتے ہیں کہ:

”ترجمہ اگرچہ فارسی زبان میں ہے مگر اردو کے ترجم کا امام اور رہنماء ہے اس لئے اسے ”سید الترجم“ بھی کہا جا سکتا ہے۔ (۴)

حضرت شاہ ولی اللہ کی عقیریت اور رسوخ فی العلم ایک مسلمہ حقیقت ہے آپ بر صیر کے علماء کے گل سرسد تھے۔ آپ نے قرآن مجید کا جو ترجمہ کیا وہ ہمہ پہلو اور کثیر الجہات ہے اس میں تفسیری ادب کے لطیف نکات اور خود شاہ صاحب کی قرآنی بصیرت کے منفرد اور شاندار نمونے نظر آتے ہیں۔ اس میں بیک وقت علماء اور عوامِ الناس کی رہنمائی کا سامان موجود ہے یہ ترجمہ فکری ہونے کے ساتھ ساتھ دعوتی انداز کا حامل بھی ہے۔ شاہ صاحب اس حوالے سے لکھتے ہیں:

”اس کتاب (ترجمہ، فتح الرحمن) کا مرتبہ متن قرآن اور فارسی کے مختصر رسائل پڑھنے کے بعد ہے تاکہ فارسی ان کی سمجھ میں بے تکلف آجائے۔ پھر وہ لوگ جو عمر کا ایک بڑا حصہ گزار دینے کے بعد تو وہ کی توفیق پاتے ہیں مگر اسلامی علوم کو حاصل نہیں کر پاتے یہ کتاب ان کو پڑھانی چاہیے تاکہ وہ

قرآن کی تلاوت میں حلاوت پائیں اور اس کتاب کا فائدہ عام مسلمانوں کے حق میں متوقع ہے
ان شاء اللہ تعالیٰ العظیم۔“ (۵)

شah صاحب نے اس ترجمہ میں علمی شکوہ کے ساتھ ساتھ فنی لحاظ سے ترجمہ میں ایک نئے اسلوب کی راہ
نکالی ہے۔ آپ سے پہلے بالعموم تین طرح سے تراجم کرنے کا رواج تھا جب کہ شah صاحب نے ایک چوتھا طرز
ترجمہ اختیار کیا۔

(۱) لغوی ترجمہ، جسے وہ ترجمہ تحت اللفظ کا نام دیتے ہیں۔

(۲) اصطلاحی ترجمہ، جسے وہ بیان ”حاصل المعنی“ سے موسوم کرتے ہیں۔

(۳) وہ ترجمہ جو مذکورہ دونوں ترجموں کے درمیان ہے۔

(۴) وہ ترجمہ جو شah صاحب نے فتح الرحمن میں اختیار کیا۔ (۶)

چوتھی قسم کے ترجمہ کے متعلق آپ لکھتے ہیں کہ:

”ایک طرف تو تحت اللفظ ترجمہ کو لیا اور اس کے خلل کو یاد رکھا اور اس کے فون میں تصرف کیا،
دوسری طرف بیان حاصل المعنی کو لیا اور فہم و مراد کے مشکل مقامات اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے
طریقہ کو ضبط کیا۔ پھر تحت اللفظ کی پیروی کی، ٹھیک اسی نظم کے مطابق جو قرآن میں مذکور ہے اور
فغل کے اختلاف کو اپنے اوپر ہموار کیا اور اس جگہ پر جہاں فارسی ترجمہ میں پیچیدگی اور رکا کت
لازم آتی ہے یا عربی زبان میں ایسی ترکیب آتی ہے کہ جس کی نظری فارسی زبان میں نہیں ملتی تو اس
کے مساوی حرفاً حروف میں سے اس کی جگہ رکھ کر ترجمہ کیا۔“ (۷)

گویا شah صاحب نے اجتہادی قسم کا ترجمہ کیا ہے۔ برصغیر میں قرآن فہمی کے حوالے سے ”فتح الرحمن“ کی
حیثیت بنیادی ہے اور یہ اردو کے تراجم کا امام اور رہنماء ہے۔ اس ترجمہ کی تینیں ۱۱۵۶ھ میں ہوئی۔

وللہی فکر کے حامل تین تراجم:

(الف) موضع قرآن:

ترجمہ فتح الرحمن اردو تراجم کی ”حاصل“ اور ”ام“ کی حیثیت کا حامل ہے۔ شah ولی اللہ کے قرآنی علوم
و معارف ان کی قابل فخر اولاد کے حوالے سے دیکھیں تو آپ کے بڑے صاحبزادے شah عبد العزیز محدث دہلوی
(متوفی ۱۲۳۹ھ) ہیں۔ آپ کی تفسیر، بہ سووم ”تفسیر عزیزی“، ناکمل شکل میں ہی دستیاب ہے۔ اگر یہ مکمل ہوتی تو
خاصے کی چیز ہوتی۔

شah رفیع الدین دہلوی (متوفی ۱۲۳۳ھ) کا لفظی ترجمہ انفرادی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اردو میں لفظی ترجمہ قرآن کی اولین اور کامیاب کوشش ہے۔ لفظی ترجمہ کےالتزام کے باوجود اس میں شah رفیع الدین کی قرآنی بصیرت کے نمونے جا بجا نظر آتے ہیں۔ (۸)

حضرت شاہ ولی اللہ کے ترجمہ ”فتح الرحمن“ کا حقیقی ترجمان اور اس ترجمے کا فیضان شاہ عبد القادر صاحب (متوفی ۱۲۳۰ء) کا ترجمہ ہے ان کے بھی یہی مقاصد تھے جو ان کے والد کے پیش نظر تھے۔ (۹) اس لئے شاہ عبد القادر کے ترجمے کی اصل بنیاد ”ترجمہ فتح الرحمن“ ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ ایک ترجمہ فارسی میں ہے اور دوسرا ترجمہ اردوخوان طبقے کے لئے ہے۔ جس میں شاہ عبد القادر کی قرآن فہمی کے موتی جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند اس ترجمے کو ”حسن الترجم“ اور ”نفع الترجم“ کہتے ہیں۔ (۱۰) شاہ صاحب کے اس ترجمہ قرآن کے ادبی اور فکری محسن پر قاری محمد طیب اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں:

”حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الفاظ قرآنی کے حقیقی مفہوم عام کو بخوبی باقی رکھتے ہوئے ترجمہ فرمایا کہ ”اچھائیاں واسطے اچھوں کے اور برا بیاں واسطے بروں کے“، جس میں عورتیں، چیزیں اشیاء وغیرہ سب آجائی ہیں، حقیقی معنی میں قرآن کا مفہوم عام ہے۔ اس ترجمہ کی وہ بلاغت ہے جس کے بارہ میں میں نے اپنے بزرگوں سے حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ سنائے کہ اگر اردو میں قرآن نازل ہوتا تو شاید اس کی تعبیرات وہی یا اس کے قریب قریب ہوتیں جو اس ترجمہ کی ہیں۔“ (۱۱)

ترجمہ قرآن کا نہ ہی حوالہ تو اپنی جگہ معتبر ہے، ہی لیکن ادبی و فنی نقطہ نظر سے بھی اس ترجمے کی اپنی افادیت عظمت ہے۔ جس کا نقاد ان فن کو اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اردو ادب کے ایک نقاد لکھتے ہیں کہ:

”اگر ہم اردو شاعری کی زبان کا مقابلہ شاہ عبد القادر کے ترجمہ کی نشر سے کریں تو ہمیں اس ترجمے کی خوبصورتی اور تاثیر واضح طور پر نظر آئے گی،“ (۱۲)

شاہ صاحب کے ترجمہ کے عہد میں ایک اور ترجمہ کا سراغ بھی ملتا ہے۔ کہ انگریزی سرکار نے بھی ایک اردو ترجمہ اپنے اہتمام میں کروا یا۔ (۱۳)

حضرت شیخ الہند، شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمہ کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ شاہ صاحب کس طرح سے لفظی نزاکتوں اور قرآنی الفاظ کے مقابیم و لطائف اور اسرار و غوامض کا لحاظ رکھتے ہیں:

”حضرت شاہ صاحب ترتیب قرآنی کا بہت خیال رکھتے ہیں اور اصل اور ترجمہ کی مطابقت میں

بہت سعی فرماتے ہیں مگر چونکہ ترجمہ با محاورہ کا انتظام کیا ہے اس لئے ضرورت تو ضم خ و تسهیل میں بعض موقع پر تقدیم و تاخیر لازم ہے۔ مگر جیسا کہ آٹے میں نہیں۔ یہ نہیں کہ آخر کا ترجمہ اول اور اول کا آخر ہو جائے۔ (۱۲) گویا با محاورہ ترجمہ میں مرادات الہی کو واضح کرتے ہیں اور اس میں بھی از حد کوشش ہوتی ہے کہ الفاظ قرآنی کے ماتحت رہ کر مفہوم بیان کیا جائے۔ مختصر یہ کہ موضع قرآن جملہ اردو تراجم کے لئے بکمزلہ ”امام“ اور ”اصل“ کے ہے۔

(ب) موضع الفرقان (ترجمہ مولانا محمود حسن، شیخ الہند)

مولانا محمود حسن، دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم بھی ہیں اور مولانا قاسم نانوتوی کے شاگرد خاص بھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے جامعیت کی ایک شان عطا فرمائی تھی قرآن مجید سے آپ کا خصوصی تعلق رہا اور علوم ولی اللہی سے آپ کی خاص ہنی و فکری مناسبت تھی۔ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کو آپ ”انفع التراجم“ فرماتے ہیں۔ جب آپ نے محسوس کیا کہ زمانی اعتبار سے موضع قرآن کے کئی الفاظ اب متذکر ہو گئے ہیں اور عوام کے لئے ان کی تفہیم مشکل ہوتی جا رہی ہے تو آپ کو اس ترجمہ میں نئے الفاظ کی ضرورت محسوس ہوئی اور آپ نے اس کی تسهیل کا عزم فرمایا آپ نے اس کی تسهیل میں از حد احتیاط کی اور کسی جگہ بھی موضع قرآن کے انداز اور بنیادی فکر سے انحراف نہیں کیا آپ نے متن قرآن کو بالاتر کھا ہے اور اردو کے محاورہ کو اس کے تابع کیا ہے۔

آپ کے اس ترجمہ پر ڈاکٹر شاہد علی یوسف تبصرہ کرتے ہیں:

”حضرت شیخ الہند صاحب کا ترجمہ سلیں و بمحاورہ ہونے کے ساتھ ساتھ تحت اللفظ بھی ہے۔

خصوص و عوام سمجھی اس سے با آسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔ موضع الفرقان کے تفسیری حواشی مکمل طور پر سلف صالحین کے طرز پر لکھے گئے ہیں..... شیخ الہند صاحب جو حواشی تحریر کرتے ہیں اس میں آیات کی تشریح قرآن کے بعد احادیث کی روشنی میں کرتے ہیں اور جابجا احادیث کا متن اور بعض جگہ اس کا نجوڑ بھی بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ مولانا عثمانی صاحب نے بھی احادیث کے استعمال کے ضمن میں اسی طریقے کی پیروی کی ہے۔ شیخ الہند نے فضول مباحث یا مسائل کے آپسی اختلافات کی بحث میں نہ الجھ کر اپنے حواشی کو طوالت سے بچایا ہے بھی وجہ ہے آپ مختصر مضمون میں پورے مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔“ (۱۵)

یہ ترجمہ بنیادی طور پر حضرت شاہ ولی اللہ کے ترجمہ ”فتح الرحمن“ اور شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی فکری و معنوی توسعہ ہے اور اسی تسلسل کی ایک سنہری کڑی ہے۔ اس لئے شیخ الہند نے اپنے ترجمہ میں موضع قرآن سے متذکر

الفاظ کو نئے الفاظ سے از حد احتیاط کے ساتھ بدلتا ہے۔ اور اکثر جگہ انہی الفاظ کو برقرار رکھا ہے۔ تاکہ شاہ عبدالقدار صاحب کے فکری تسلسل میں انقطاع واقع نہ ہو۔

(ج) ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری:

یہ ترجمہ باحاورہ ہے اور اس میں الفاظ قرآنی و مدلولات قرآنی باہم ساتھ ساتھ چلتے ہیں، البتہ بعض مقامات پر لفظی ترجمہ کو (بر بنائے احتیاط) ترجیح دی گئی ہے۔ آپ نے اس ترجمہ میں علوم و افکار ولی اللہی کو اپنا خاص مرجع بنایا ہے۔ اس کی بنیاد میں تین تراجم سے بالخصوص استفادہ کیا گیا ہے (۱) فتح الرحمن (۲) موضع قران (۳) ترجمہ شیخ الحنفی۔ اس لئے اس ترجمہ و حواشی میں شاہ ولی اللہ کے جابجا حوالے اور ان کی مخصوص اصطلاحات نظر آتی ہیں۔ ترجمہ کی ابتداء ہی میں مولانا لاہوری (متوفی ۱۹۶۶ء) حروف مقطوعات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”حضرت شاہ صاحب نے الغوز الکبیر فی اصول التفسیر کے اخیر میں بھی حروف مقطوعات کے متعلق بقدر ضرورت ارقام فرمایا ہے۔“ (۱۶)

اس میں بالخصوص ”خلاصہ“ کے عنوان کے تحت فکر ولی اللہی کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ سورہ بقرہ کا خلاصہ میں شاہ عبدالقدار کا حوالہ اس طرح سے دیتے ہیں۔

”سورہ بقرہ میں یہود مخاطب بالذات تھے اور نصاری بالتع آل عمران میں نصاری کی اصلاح مقصود بالذات ہے اور یہود کی بالتع، حضرت شاہ عبدالقدار کا یہی خیال ہے۔“ (۱۷)

ان ہر دو شخصیات سے استفادہ کی وجہ، علوم ولی اللہی کے شاور مولانا عبد اللہ سندھی سے آپ کا تلمیز انہ تعلق ہے۔

مولانا اخلاق قاسمی لکھتے ہیں:

مولانا لاہوری، امام انقلاب عبد اللہ سندھی سے خاندانی اور علمی ہر دونبتوں کے سبب خاندان ولی اللہی کے علوم و معارف کے بڑے ترجمان تھے۔ (۱۸)

قاضی زاہد حسین لکھتے ہیں:

”آپ کی ساری زندگی درس قرآن عزیز اور دینی اور روحانی علوم کی اشاعت میں بس رہوئی، کئی رسائل تالیف فرمائے۔ آپ کا اہم کارنامہ قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیری حاشیہ ہے آپ نے خاندان ولی اللہی کی تعلیمات کے پیش نظر ترجمہ اور حاشیہ مرتب فرمایا ہے جو بر صیر کے تمام جید علماء سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔“ (۱۹)

مولانا اخلاق حسین قاسمی خود بھی حضرت شاہ ولی اللہ کے علوم و افکار سے مناسبت رکھتے ہیں۔ آپ کا یہ

قول حضرت لاہوری کے متعلق ایک اہم گواہی کی حیثیت حاصل ہے۔

”علماء ہند میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد القادر صاحب کے قرآنی علوم کا سب سے بڑا شارح اور

ترجمان اگر کوئی تھا تو وہ مولانا احمد علی لاہوری کی ذات گرامی تھی،“ (۲۰)

مولانا احمد علی لاہوری نے اس ترجمہ و تفسیری حاشیہ میں شاہ ولی اللہ کے علوم و معارف سے خصوصی استفادہ کیا ہے۔ ان اصطلاحات استعمال کیں، متعدد جگہ ان جیسا فلسفیانہ اور حکیمانہ انداز اختیار کیا ہے۔ مخالف آراء اور ظاہری اختلاف میں تطبیق توفیق کا ولی اللہی انداز اس ترجمہ اور حاشیہ میں جھلکتا نظر آتا ہے۔ پھر شاہ صاحب ہی کے انداز اور نجح پر اجتماعیت کے سیاسی و عمرانی افکار بیان کیے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ پر ان اصول و افکار کا انطباق و اطلاق بھی جامع طریق پر کیا ہے۔ اس وجہ سے اس ترجمہ و حاشیہ میں ایک خاص جامعیت، حالات حاضرہ میں قرآنی رہنمائی اور ندرت فکر کی ایک خاص شان پیدا ہو گئی ہے۔

مختصر علمی تعارف مولانا احمد علی لاہوری

شخصیت و تعارف:

آپ کی پیدائش ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۷ء) بروز جمعہ بمقام قصبه جلال متصل گلھڑ گوجرانوالہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم میں قرآن عزیز گھر پر والدہ محترمہ سے پڑھا۔ پھر سکول داخل کر دیے گئے۔ بعد ازاں مولانا عبدالحق صاحب خطیب گوجرانوالہ کے یہاں داخل کیے گئے۔ جہاں فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے مولانا عبد اللہ سندھی علوم دینیہ کی تکمیل کر کے آئے تو تعلیم و تربیت کے لیے آپ کو ان کے سپرد کر دیا گیا۔ جب نظارة المعارف القرآنیہ دیوبند سے دہلی منتقل ہوا تو حضرت شیخ الہند کے ایماء پرمولانا سندھی نے آپ کو دہلی بلایا۔ (۲۱)

درس قرآن کا آغاز:

۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہند نے مولانا سندھی کو کامل بھیجا تو پچھے دہلی کا سارا نظام آپ کے سپرد رہا۔ تحریک ریشمی رومال کے انکشاف کے بعد سب حضرات کے ساتھ آپ بھی گرفتار ہو گئے۔ ”رہائی کے بعد آپ ۱۹۱۷ء میں لاہور تشریف لے آئے۔ لاہور آتے ہی درس کی ابتدا کر دی کہ استاذ کرم مولانا سندھی سے وعدہ تھا کہ اشاعت قرآن کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اس درس کا سلسلہ پہلے مختلف مقامات پر رہا۔ بعد میں مسجد لائن سبجان خاں شیرانوالہ میں منتقل ہو گیا اور پھر تادم آخر یہیں رہا۔ ۱۹۱۷ء میں نج کا ارادہ کیا تھا کہ ساتھ بھرت کا پروگرام تھا لیکن قدرتی اسباب مانع ہوئے۔ خواب میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”واپس جاؤ۔ ہم نے قرآن کی خدمت

اور اصلاحِ امت کا کام لینا ہے۔ حج سے واپس آئے تو خلافتی پروگرام کے پیش نظر کابل بھرت کر کے چلے گئے بعد میں مولانا سندھی نے آپ کو واپس بھیج دیا۔ واپسی پر پھر درس کا سلسلہ باقاعدگی سے شروع فرمادیا،۔ (۲۲)

ترجمہ قرآن کا آغاز:

باقاعدہ ترجمہ قرآن کے لئے تحریری کام کی تجویز ۱۹۲۵ء میں ہوئی اور آپ حسب تجویز ”واه“ تشریف لے گئے جہاں یہ کام کمکمل ہوا اور ۱۹۲۷ء میں وہ مترجم و مخشی قرآن شائع ہو گیا۔ ۱۹۲۲ء میں انجمن کی نگرانی میں مدرسہ قاسم العلوم جاری ہوا۔ اس مدرسہ میں سالانہ نصاب کے علاوہ تفسیر کا سہ ماہی نصاب بھی شامل تھا۔ اسی سہ ماہی کورس کے لیے حضرت مدینی طلباء کو ترغیب دیا کرتے جب کہ بڑے بڑے علماء سفارشی خطوط دے کر طلباء کو لا ہور بھیجتے۔ قاسم العلوم کی ذاتی عمارت ۱۹۳۲ء میں بنی، مولانا شبیر احمد عثمانی نے افتتاح کیا۔ اس سے پہلے عمارت کراچی کی تھی اس مدرسہ کے شعبہ جات میں درس نظامی و دورہ تفسیر اور شعبہ حفظ و ناظرہ شامل تھے۔ (۲۳)

مولانا لاہوری کا حسن تربیت:

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، لاہور میں آپ کے پاس قرآنی علوم کے حصول اور تربیت و تزکیہ کی منازل طے کرنے کے لئے کچھ عرصہ تک شیر انوالہ گیٹ لاہور میں مقیم رہے۔ آپ نے حضرت لاہوری کی نجی، عوامی اور علمی زندگی کا مشاہدہ کیا۔ ان کی درویشی، حق گوئی، فہم قرآن اور للہیت و خیثت کو کچھ میں خود دیکھا۔ آپ لکھتے ہیں:

”میری زندگی میں وہ دن بڑا مبارک دن اور وہ بڑی سعید گھری تھی، جب مولانا احمد علی صاحب لاہوری امیر انجمن خدام الدین شیر انوالہ دروازہ، لاہور سے نیاز حاصل ہوا۔۔۔ اگر مولانا احمد علی صاحب سے ملاقات نہ ہوتی تو میری زندگی اچھی یا بُری بہر حال موجودہ زندگی سے بہت مختلف ہوتی، اور شاید اس میں ادب و تاریخ اور تصنیف و تالیف کے سوا کوئی ذوق اور روحانی نہ پایا جاتا، خدا شناسی اور خداری، راہ یابی اور راست روی تو بڑی چیزیں ہیں، مولانا کی صحبت میں کم سے کم خدا طلبی کا ذوق، خدا کے نام کی حلاوت اور مردان خدا کی محبت، اپنی کی اور اصلاح و تکمیل کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا، اور عامیوں کے لیے بھی بڑی دولت و نعمت ہے، بلکہ بعض حقیقت شناسوں کے نزدیک یہی اصل دولت ہے۔“ (۲۴)

مولانا لاہوری کا تفسیر قرآن میں طرز:

آپ کا علوم و افکار ولہی سے گہرا تعلق ہے اس لئے آپ حضرت شاہ صاحب کے فکر و فلسفہ کی روشنی میں طلبہ کو قرآن کی تعلیم دیتے رہے۔ آپ نے اس حوالے سے ایک مخصوص طرز اختیار کیا تھا جس میں طلبہ کو امہات

تفسیر کے مطالعہ کیسا تھا فہم قرآن میں سورت کا خلاصہ، ربط آیات ہر کوئی کا خلاصہ مع حوالہ آیات اور نکات قرآنی پر مشتمل تعلیم دیتے تھے۔ نتیجًا ان طلبہ میں قرآن مجید کے مضامین سے ایک خاص مناسبت پیدا ہو جاتی۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی لکھتے ہیں:

”مولانا احمد علی صاحب لاہوری برصغیر کے مشہور عالم دین، مجاهد حلیل اور شیخ طریقت تھے۔ مولانا نے عربی مدارس کے طلباء کے لئے ترجمہ اور تفسیر کی تعلیم کا مختصر پروگرام بنارکھا تھا جس میں طلباء کے اندر قرآن کریم کو سمجھنے اور پھر دوسروں کو سمجھانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی۔“ (۲۵)

مولانا لاہوری نے طلباء کے لئے فہم قرآن کا جو نصاب متعین فرمایا تھا اس کا علمی تنوع، عنق اور اثر پذیری خوب تھی، اس کے متعلق مولانا اخلاق حسین قاسمی لکھتے ہیں:

”مولانا لاہوری[ؒ]، مولانا سندھی[ؒ] کے نظارہ المعارف القرآنیہ کے رفقا میں سے تھے آپ نے اسی نقشہ پر انجمن خدام الدین شیرanolah گیٹ لاہور میں درس قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا، مولانا نے عربی مدارس کے فارغ طلباء کے لئے تین مہینہ کا نصاب مقرر کیا تھا۔ اس مدت میں مولانا نے علماء عربی کو قرآن کریم کے معارف پر عبور حاصل کرادیا کرتے تھے۔ اور قرآنی علوم پر اظہار خیال کی جرأت پیدا کر دیا کرتے تھے۔ ہندو پاکستان کے مشاہیر علماء نے حضرت لاہوری کے اس نصاب سے استفادہ کیا ہے۔“ (۲۶)

عربی کی امہماں تفاسیر سے اس طرح تعلق خاطر پیدا کر کے قرآنی ذوق کی آبیاری کی جاتی تھی۔ اس کی تفصیل ڈاکٹر کمال اللہ ندوی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مدرسہ قاسم العلوم لاہور میں ایک بڑا شاندار کتب خانہ تھا، جس میں خصوصاً علم تفسیر پر کافی ذخیرہ موجود تھا۔ اردو، عربی، فارسی زبانوں میں تفسیر کی بہت سی اہم کتابیں تھیں۔ اور تلمذہ کو یہ ہدایت کی جاتی تھی کہ کوئی نہ کوئی تفسیر اپنے مطالعہ میں خاص طور پر رکھیں اور یہ بھی ہدایت کی جاتی تھی کہ تقریر درس قلم بند کیا جائے اور جو کچھ بتایا جاتا ہے اس کو ضبط ذہن کر لیا جائے۔ اور دوسرے دن پوچھنے پر بتایا جائے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری کا معمول تھا کہ درس سے قبل دو امتحان لیتے۔ پہلا امتحان مطالعہ کا ہوتا جس میں دریافت فرماتے کہ اس آیت پر امام رازی نے کیا کہا، ہے، امام بغوی نے کیا لکھا ہے امام آلوی اور صاحب کشف کی تفسیری تحقیقات کیا ہیں، تھوڑی دیر میں یہ جائزہ لے لیا جاتا کہ واقعی مطالعہ کیا گیا ہے یا نہیں، پھر درسِ قرآن کا امتحان ہوتا۔

”حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری کا خاص طرز یہ تھا کہ پوری سورۃ کا ایک مجموعی مضمون قرار دیتے اور اس پر بطور خلاصہ تقریر فرماتے، پھر ہر رکوع کا مستقل ایک خلاصہ مضمون بتاتے اور پھر مآخذ پر روشنی ڈالنے کے فلاں آیت سے فلاں آیت تک یہ مضمون مذکور ہے اور خصوصاً ربط آیات کو خصوصیت سے پیش فرماتے اور قرآنیات کو دور حاضر پر منطبق کرنے کی طرف توجہ دلاتے، اسی طرح دوران درس بطور تاویل اور بطور اعتبار اجتماعیات کے لئے سیاسی اور عمرانی نکات مستبطن کیے جاتے“^{۳۳} ان حواشی و ترجمہ قرآن میں عصر حاضر اس تعلق کی بناء پر قرآن مجید زندہ اور رہنمای کتاب عملاً دکھائی دیتی ہے۔ اور اللہ کی یہ کتاب، زمانہ حال کے عمرانی، سیاسی، معاشری اور فکری مسائل کے حل و کشود کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔

پہلا عوامی درس قرآن:

آپ کے دروسِ قرآن دو انداز کے تھے، ایک عوامِ الناس کے لیے، جس میں اصلاحی اور اجتماعی انداز غالب ہوتا تھا، دوسرے درس علماء و فضلاء کے لیے ہوتا تھا۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

”لاہور میں بیٹھ کر تقریباً نصف صدی اس کی اشاعت کی، مدارس عربیہ کے فضلاکی بدولت جن کے لیے انھوں نے صرف ڈھائی تین مہینہ کا نصاب بنایا تھا، اور جوان مدارس کی تعطیل کے زمانہ میں ان سے استفادہ کے لیے آتے تھے، عمومی درسِ قرآن / یہ درسِ قرآن ہندوستان کے دور دراز گوشوں تک پہنچ گیا۔۔۔ تصحیح عقائد، اصلاح رسوم، ربط بالقرآن کا فائدہ زیادہ ہوا، یہ درحقیقت مولانا احمد علی صاحب کے تقویٰ اور روحانیت اور اخلاق و اثیار کی برکت تھی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں درسِ قرآن کے عمومی رواج اور لوگوں میں اس کی مقبولیت کا سہرا انہی کے سر ہے۔“^(۲۸)

حق گوئی و استقامت:

مولاناؒ کے دروس اور تفسیری حواشی میں اس عزیمت و حق گوئی کا عکس نظر آتا ہے۔ قرآنی آیات سے اجتماعیت و سیاست کے اصول اخذ کر کے انہیں موجودہ ماحول پر منطبق کرنا اس ترجمہ کا خاص وصف ہے۔ آپ کا اخلاص، قرآن مجید سے گہرا تعلق اور ایسی واہستگی جو مادی علاقت سے ماوراء ہے۔ اس مضمون میں اگر انہیں وقت کے حکمرانوں کی اصلاح احوال پر توجہ دینی پڑتی تو آپ پوری جرأت کے ساتھ خیر خواہانہ نصائح فرماتے، آپ کا درس لاتخافون لومةً لائم کا نمونہ ہوتا تھا، مولانا ندوی اس کا نقشہ کھنچتے ہوئے لکھتے ہیں:

”سب سے زیادہ مفید و موثر مولانا کی صحبت، ان کی زہدانہ اور مجاہدانہ زندگی، ان کا اخلاص، ان کا

قرآن مجید سے والہاہ تعلق اور اس کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کا بے قرار نہ جذبہ تھا، ان کو قرآن مجید کے درس و اشاعت کے بغیر چین نہیں آتا تھا، اور وہ ان کی روح کی غذا اور درد کی دوابن گیا تھا، ان کے نزدیک اس درس میں ناغہ کرنا گویا گناہ بکیرہ اور سخت کوتا ہی تھی، میں نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ایک بچہ کا انتقال ہوا اس کی لاش گھر میں تھی، لیکن اس دن بھی انھوں نے درس کا ناغہ نہیں کیا، درس کے بعد حاضرین کو اس واقع کی اطلاع کی اور تجربہ و تکفین میں مشغول ہوئے۔“ (۲۹)

مولانا احمد علی لاہوری کی زندگی، خدا ترسی، قرآن فہمی، حب رسول ﷺ اور انسان دوستی کی تابندہ مثال تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کی درویشی، استغناہ اور اعیان سرکار کے سامنے کمال درجے کی حق گوئی جو انگریزی استعمار پر نقد و جرح سے شروع ہوئی اور پاکستانی حکمرانوں کے غلط اور خلاف شرع اقدامات پر بھی یہ تقدیم اور حق گوئی جاری رہی۔ مولانا کا احتیازی وصف قرآن فہمی میں فلسفہ ولی اللہی کو مرتب انداز میں پیش کرنا ہے۔

آپ کے دونمایاں تلمیذ قرآنی:

آپ کے دورہ تفسیر سے مستفید ہونے والوں کی تعداد سیکٹروں سے متجاوز ہے۔ آپ واحد ہستی تھے کہ جن دروس سے علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ نوجوان یہیک وقت مستفید ہوتے تھے۔ اور ہر کوئی اپنے طرف و صلاحیت کے مطابق ان سے اخذ و استفادہ کرتا تھا، علماء کرام میں مولانا مفتی محمود، مولانا سرفراز صفر صاحب اور مولانا عبد الحمید سوائی جیسے اکابر علماء نے آپ سے بھرپور استفادہ کیا اس کے علاوہ بھی طبقہ علماء میں آپ کے سیکٹروں شاگرد تھے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں علامہ علاؤ الدین صدیقی (سابق و اکس چانسلر پنجاب یونیورسٹی) اور علامہ شبیر بخاری نمایاں تھے۔

ہندوستان میں آپ کے دونمایاں شاگرد ایسے تھے جنہوں نے آپ کے طرز پر اپنے حلقة اثر میں دروس قرآنیہ کے حلقة قائم کیے۔ اور علوم قرآنی کے ذیفان کو عام تر کیا۔ مولانا کمال اللہندوی لکھتے ہیں:

”شیخ المفسرین حضرت مولانا احمد علی راشدی لاہوری کے ان دونا مور تلامذہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسني ندوی اور داعی احسان و مفسر قرآن حضرت مولانا سید شاہ صبغت اللہ حسینی بختیاری کی یہ نمایاں خصوصیت اور یادگار خدمت رہی کہ اول الذکر نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ترجمہ قرآن کی شروعات کی تو موخر الذکر نے جامعہ دارالسلام، عمر آباد، تمل ناؤ میں ترجمہ قرآن کی بنیاد رکھی۔ اس سے قبل بر صغیر کے مدارس عربیہ و دینیہ میں راست ان کتب تفاسیر ہی سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ جنہیں مراجع کی حیثیت حاصل ہے۔ ان دو حضرات کی مسامی جمیلہ سے شہابی ہند اور جنوبی ہند کے اکثر و بیشتر دمارات میں ترجمہ قرآن کی تدریسیں کا سلسلہ شروع ہوا۔“ (۳۰)

ساختہ وفات:

مولانا علی میاں ندوی، حضرت لاہوریؒ کی زندگی کے اس دور پر کہ جب قرآن کے پیغام کا ابلاغ اور لوگوں کی اصلاح آپ کا وظیفہ حیات بن چکا تھا بے لوثی و استغنا اور للہیت کا اس دور آخر میں غلبہ تھا۔ اس طرح سے تبصرہ فرماتے ہیں:

”اور آخری زندگی میں تو یہ حال ہو گیا کہ لوگ دور دور سے پروانہ وار آتے اور ایک ہجوم رہتا، اسی کے ساتھ آپ کی مشغولیت اور انہاک بھی بڑھتا گیا، بعض اوقات ناشتہ کی نوبت ہی نہ آتی دوپہر کے کھانے میں بھی بہت دیر ہو جاتی آخر میں سر برآ وردہ اور صاحب وجہت اشخاص کو بھی کئی کئی دن کے انتظار کے بعد ملاقات کا موقع ملتا، اس بارہ میں میں آپ کا معاملہ مقبولین خدا، اور اولیاء اللہ کے مشابہ تھا کہ جتنا سفر آخرت کا وقت قریب آتا جاتا تھا، لوگوں کی عقیدت و محبت بڑھتی جاتی تھی، اور نفع اور افادہ کی مقدار بھی اسی کے بقدر، بالآخر وہ وقت آ گیا کہ نصف صدی کا پر مشتمل اور طویل مجاہدہ کا سفر طے کرنے والا اپنی آخری آرام گاہ پر پہنچے اور اپنی محنت و وفاداری کا انعام پائے، ۱۳۸۱ھ کے رمضان المبارک کی ۱۸ تاریخ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو حاضری کا پیام آ گیا، اور نمازِ عشا میں بحالت سجدہ انتقال ہوا، اور خادم قرآن، قرآن کے نازل کرنے والے کے جوارِ رحمت میں پہنچ گیا، جنازہ میں لوگوں کا پروانہ وار ہجوم اور اجتماع عظیم کا وہ منظر تھا، جو لاہور کے عظیم شہر نے مدت دراز سے نہیں دیکھا تھا، اور شاید مدت دراز تک نہ دیکھے، غروب آفتاب کے ساتھ تبلیغ و اشاعت دین کا یہ آفتاب بھی لوگوں کی نگاہوں سے اوچھل اور خاک کے پرده میں نہیں ہو گیا اور سیکڑوں ہزاروں آدمیوں نے وہیں افطار کیا اور بادیدہ نم و اپس آئے۔ مولانا جب لاہور آئے یا لائے گئے تو تن تھا تھے، اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر درس قرآن کا آغاز کیا تھا، لیکن جب اس شہر کو داغ مفارقت دیا تو خدا کے ہزاروں بندے سوگوار اور ان کے فراغ میں اشک بار تھے۔ (۳۱)

”تَلَكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلنَّذِينَ لَا يَرِيدُونَ عَلَوًا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ

لِلْمُتَقِينَ“—(۳۲)

مولانا احمد علی لاہوری نے قرآنی پیغام کو پھیلانے کے ساتھ ساتھ اپنے ذی صلاحیت تلامذہ کی ایک جماعت تیار کی اور برصغیر میں دروس قرآنیہ کے حلقة قائم کیے۔ علماء کرام اور باصلاحیت و صالح جدید تعلیم یافتہ افراد

کی قرآنی فکر سے ذہن سازی کی انہوں نے قرآن کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کا حل بتایا۔

ترجمہ قرآن کا تعارف اور داخلی مطالعہ

مولانا احمد علی لاہوری[ؒ] کے مجوزہ ترجمہ قرآن کے سروق پرتارخ، ۱۳۸۲ھ درج ہے۔ مترجم کا نام

”حضرت مولانا حاجی احمد علی“ مرقوم ہے۔ زیر اہتمام انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور۔ پیش نظر اشاعت چوتھی ہے جو ۱۳۱۳ھ کو ہوئی۔ نسخہ ہذا کے صفحات کی تعداد، ۹۲۶ ہے۔ ابتداء میں فاضل مترجم کی ایک دعا والجا ہے۔ صفحہ نمبر ۳ تا ۸ تک انجمن خدام الدین کا تعارف اور مختلف خدمات کا ذکر ہے۔ (۳۳)

علماء کی تقاریب:

نسخہ ہذا میں ترجمہ و تفسیری حواشی کے متعلق چودہ، چیدہ ترین علماء کی تقاریب ہیں۔ جن میں مختلف پہلوؤں سے اس ترجمہ و حواشی کے فوائد اور خصائص بیان کیے گئے ہیں اور علمائے کرام کے ساتھ ساتھ عوام اثاث کو بھی اس ترجمہ و حواشی سے استفادہ کی تلقین کی گئی ہے۔ ان حضرات علماء اور محققین نے مختلف پہلوؤں سے ترجمہ ہذا و تفسیری حواشی کی تعریف کی ہے اور اس کے نمایاں خصائص پر روشنی ڈالی ہے۔ (۳۴) اس کے بعد انجمن خدام الدین کے ذمہ داران نے مولانا کا سوانحی خاک اور علمی تعارف کروایا ہے جو صفحہ نمبر ۳۹ تا ۵۷ تک پھیلا ہوا ہے۔

جامع قرآنی اشاریہ:

اس اشاریہ کو فہرست مضامین قرآنیہ کا عنوان دیا گیا ہے، جو اٹھائیں صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر عنوان کے نیچے چارخانے ہیں، پہلے میں سورۃ کا نمبر، دوسرے میں سورۃ کا نام، تیسرا میں آیات کے نمبر، چوتھے حصے میں آیات کے ابتدائی الفاظ لکھ کر..... تا آیات کے آخر حصے اور دیگر آیات کے حوالے دیے گئے ہیں۔ مثلاً کتاب عقائد کے حوالے سے اول عنوان ”توحید باری تعالیٰ“ ہے۔ پھر اس میں توحید کے بیان پر تیرہ ذیلی عنوانات شامل ہیں۔ (۳۵)

اس طرح ان ابواب و عنوانات کی تعداد پونے دو صد (۱۷۸) تک وسعت پذیر ہو گئی ہے۔ اس اشاریہ قرآنی سے مولانا لاہوری کی قرآنیہ کی گہرائی اور اس میں انکی وسعت فہم و تعمق کا علم ہوتا ہے۔ کچھ عنوانات تور دو ایتی ہیں، لیکن متعدد مقامات پر آپ نے ولی اللہی اسلوب پر معاشرت و اجتماعیت سے ان کو اس طرح جوڑا ہے کہ وہ عنوانات تازہ تر دکھائی دیتے ہیں۔ اس میں عقائد، احکام، عبادات، معاملات، اخلاقیات، معاشیات، تقابل ادیان، تزکیہ نفوس، تدبیر منزل، سیاست مدن، اور فطرت انسانی کے مقتضیات تک کا آپ احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اور حکمت وہدایت قرآنی کی وسعت و تنویر سے زندگی کا کوئی گوشہ اوجھل نہیں رہا۔

اس کے بعد قرآن مجید کی سورتوں کی فہرست، صفحہ نمبر کی تحدید کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح میں پاروں

کی فہرست نئے ہذا کے حوالہ صفحات کے ساتھ دی گئی ہے۔ پھر اماماء الحنفی اور اماماء البی میں ایک کو زمین پر قرطاس کیا ہے۔ کل صفحات ۹۹۶ ہیں، ہر صفحہ میں گیارہ سطور ہیں، آیت کے نیچے ترجمہ ہے۔ صفحہ کے ایک جانب مختصر تفسیری حاشیہ ہے۔ جس میں بالعموم ایک عنوان، ربط آیات کا، اور ایک عنوان چھوٹے سے چوکھے کے اندر خلاصہ روکوں کا ہے، جس میں مأخذ کے حوالہ سے متعلقہ آیات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ متن کے آخر میں فاضل مترجم نے اپنے اس ترجمہ کی انفرادیت کا ذکر کرتے ہوئے اس کے جملہ حقوق اشاعت دائی طور پر انجمن خدام الدین لاہور کو دینے کا اعلان فرمایا ہے۔ (۳۶)

بنیادی اسلوب:

یہ ترجمہ و تفسیری حاشیہ، دعوتی، فکری اور فلسفہ ولی للہی کے اسلوب کا حامل ہے۔ جس میں قرآن مجید کے نظریہ تربیت و تعلیم کے ساتھ ساتھ انفرادی کردار کی تعمیر کے لوازم اور اجتماعیت کے اصول و ضوابط پر روشنی ڈالی ہے اور عقائد، معاملات، عبادات، تدبیر منزل، تزکیہ و اخساب نفس، اخلاقی عالیہ کی ترویج و تکمیل، رزالل سے اجتناب و بعد، انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کا تعلیم اور معيشت و اقتصاد، سیاست و اجتماعیت کو مر بوط انداز پر ایک جامع نظام فکر و عمل کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اور اس میں بالخصوص علوم ولی للہی سے اخذ و استفادہ کیا گیا ہے۔ عمومی خصائص:

اول: با محابہ ترجمہ اور اس میں حلی اشکالات کی سعی،

دوم: ربط آیات کا التزام

سوم: خلاصہ روکوں، جو چند نپے تلے لفظوں میں ہوتا ہے۔

چہارم: ربط سور کا اہتمام

پنجم: خلاصہ سورہ، جس میں مغیر سورہ کو اردو کے جامہ میں ابیجاز کی حد تک اختصار سے لکھا جاتا ہے۔

ششم: فقہی مسائل کا استنباط اور ان کا اطلاق۔

ہفتم: شاہ ولی اللہ کے تسبیح میں جامع و حکیمانہ انداز۔

تفسیری حواشی کی نمایاں خصوصیات

(۱) خلاصہ سور:

مولانا لاہوریؒ، کمال بصیرت کے ساتھ اولاً ہر سورہ کا خلاصہ اور مرکزی مضمون از حد اختصار کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید کی سب سے طویل سورت، سورہ بقرہ کا خلاصہ دیکھئے، کس قدر عمیق و لطیف

ہے۔ رکوع ایک تا اٹھارہ مناظرہ بائیہود، انیس تا بیس تہذیب اخلاق، بیس تا تیس تدبیر منزل، چوتیس تا اکتیس، سیاست مدینہ کے دو شعبے، ملک گیری و ملک داری، رکوع بیتیں تا آخر سورہ، خلافت کبریٰ۔ (۳۷)

سورہ فیل کا خلاصہ کا عنوان ”توہین لشعاں اللہ سے دائی ذلت کا نزوم“ یعنی آج جو شاعر اللہ کی توہین کا مرکب ہو گا اس کا انجام بھی اصحاب الفیل جیسا ہو گا۔ اس مخصوص احوال کی سورت کے نتائج کو عام کر کے قیامت تک اس کے اطلاق میں وسعت پیدا کر دی۔ خلاصہ سورہ قریش فرض علماء کرام و صوفیاء عظام۔ خلاصہ سورہ کو شر اصول ہریت اعداءِ اسلام۔ (۳۸)

تفسیری لٹریچر میں بالعموم سورہ لہب کے حوالے سے ابو لہب کی دیسیسے کاریوں پر تبصرہ کیا جاتا ہے، لیکن اس کا کوئی تعلق حالات و زمانہ پر منطبق نہیں کیا جاتا۔ فاضل مفسر کمال اختصار کے ساتھ یہ خلاصہ درج کرتے ہیں جس کا تعلق آج کے حالات سے بھی جڑ جاتا ہے اور قرآن مجید زندہ کتاب معلوم ہوتی ہے۔ آپ بطور خلاصہ لکھتے ہیں کہ: ”تبیغ حق میں حارج، نوع ابی لہب میں داخل ہے۔“ (۳۹)

اس طرح سے محض عنوان کی بدولت ہی پوری سورت کا جامع خلاصہ سامنے آ جاتا ہے۔ حالات حاضرہ پر انطباق و تطبیق سے اس کی جامعیت سمجھ آ جاتی ہے کہ آج بھی جو فرد یا طبقہ اہل دین کا تمثیل اڑائے گا ان کے ساتھ توہین آمیز روایہ اختیار کرے گا تو ایسے افراد و طبقات کا ذہنی عملی تعلق اصلًا ابو لہب سے ہے۔ انہیں ”شر اب لہبی“ کا ترجمان سمجھا جائے گا۔ اس طریقہ پر سورہ قرآنیہ سے اصولوں کا استخراج و استنباط اور ان کا انطباق آپ کے نمایاں خصائص تفسیر میں سے ہے۔

(۲) موضوع سورۃ:

سورتوں کے خلاصہ کے ساتھ ساتھ آپ اکثر جگہ سورتوں کے مرکزی موضوع کا تعین کرتے ہیں جو بڑا معنی خیز اور جامع ہوتا ہے کسی جگہ مختصر عنوان دے دیتے ہیں جو سورۃ کے جملہ مشمولات کا احاطہ کیے ہوتا ہے، سورۃ کا آپ کی قرآن فہمی کا ایک خاصہ یہ ہے کہ بڑے جامع انداز میں سورت کا موضوع متعین کرتے ہیں۔ جو سورت میں مذکور آیات کا مقصود و خلاصہ ہوتا ہے جیسے سورۃ الملک کا موضوع ملاحظہ ہو۔

”منافقین سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نظام عالم کا بادشاہ مان کرو فداری کا ثبوت دو۔“ (۴۰)

سورۃ القلم کا موضوع کس قدر معنی خیز ہے۔

”اگر اس دین کو خود ساختہ سمجھتے ہو تو تمہارے ہاتھ میں بھی قلم ہے ایسا قرآن لکھ کر لادو۔“ (۴۱)

مجازات سے پہلے جس تنبیہ کی ضرورت ہے وہ بذریعہ ارسال رسیل ہو گی تا کہ گرفت کے وقت یہ کہنے نہ

پائیں کہ ہمیں بلا اطلاع گرفت کی گئی۔ (۲۲)

سورہ یوسف اور نبی کریم ﷺ کے حالات میں جو مثالیت ہے کہ کس طرح ابتلاء و آزمائش کے کھنڈن مراحل سے سابقہ پیش آیا اور آخر الامر قیادت انسانیت کا اعزاز اعظم فرمایا۔ ان سارے مراحل کے مباحث کا عنوان کس قدر معنی خیز ہے۔ یعنی ”رسول اللہ ﷺ کے مستقبل کے متعلق پیشین گوئی“۔ (۲۳)

سورہ مزمل کا عنوان کیسا منفرد و جامع ہے ”ستور اعمل مبلغ“ (۲۴) یہ موضوع کس طرح سے سورہ مزمل کا احاطہ کرتا ہے۔ ترتیل، تبلیغ، عبادت توکیل، صبر اور دیگر متعلقہ موضوعات کا بخوبی خلاصہ کیا گیا اس میں جو صوری و معنوی ربط ہے، وہ اہل علم سے مخفی نہیں دیگر موضوعات سورہ بھی اسی طرح کی تفسیری لفاظتوں کے حامل ہیں۔

(۳) ربط آیات:

مولانا لاہوریؒ اس کا اہتمام سب سے زیادہ کرتے ہیں خلاصہ رکوع اور ہر دو رکوع یا موضوعات کے درمیان با معنی و حکیمانہ ربط پیدا کر دیتے ہیں اس ربط کی تفصیل کے سبب کئی اشکالات از خود رفع ہو جاتے ہیں۔ اور قرآن مجید ایک مسلسل و مربوط کلام دکھائی دیتا ہے۔ جیسے سورہ الم شرح کا یہ ربط کس طرح دافع اشکال بن رہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

”اللّٰهُ تَعَالٰى آپ ﷺ سے (خدانخواستہ) بیدار کیسے ہو بلکہ اس نے تو آپ کی شرح صدر فرمائی۔ اور علاوہ اس کے یہ انعام بھی کیا کہ اصلاح امت کے لئے جس قانون کی ضرورت تھی وہ عطا فرمائ کر آپ کا بوجھ اتار دیا اور آپ کا ذکر خیر شرط ایمان میں سے ہے آپ نہ گھبرائیں عمر کے بعد یُسر لازمی ہے، تبلیغ رسالت سے فراغت کے وقت یہ کام (انفرادی عبادت) کیجئے۔“ (۲۵)

(۴) خلاصہ رکوع:

مولانا موصوف، ہر رکوع کا خلاصہ بڑے التزام کے ساتھ محض چار پانچ لفظوں میں لکھتے ہیں جیسے سورۃ البقرہ کے پہلے رکوع کا خلاصہ، یہود کو دعوت الی الکتاب و اوصاف متقدی۔ (۲۶)

سورۃ البقرہ کے تیرے رکوع کا خلاصہ تذکیر بالاء اللہ سے منافقین کی اصلاح کا قانون، خلاصہ رکوع پانچ، نئی مُلِّهمُ مِنَ اللّٰهِ جماعت کی ضرورت، کیونکہ یہود ناکام ہو چکے ہیں۔ (۲۷)

خلاصہ رکوع چھ، سورہ بقرہ، تذکیر بالاء اللہ و ما بعد الموت سے یہود کو دعوت الی الکتاب اور ان کا بدروی سے قروی زندگی میں فیل و ناکام ہو جانا۔ اور متعلقہ آیات کو بطور ماخذ ذکر کرتے ہیں۔ (۲۸) پھر سورۃ الاعلیٰ کا خلاصہ بطور

کوئی بیان کرتے ہیں ضرورت نبوت اور طریقہ تعلیم نبوت۔ (۵۹)

اسی طرح ایک سورۃ کا دوسری سورۃ سے معنوی و لفظی ربط بیان کرتے ہیں۔

مولانا علی میاں، حضرت لاہوری کے درس قرآن کی خصوصیت معمولات اور قرآنی بصیرت سے اس طرح آگاہ کرتے ہیں ”..... فخر کے بعد ذرا دن چڑھے سبق شروع ہو جاتا اور کئی کئی گھنٹے جاری رہتا، مولانا عبد اللہ سنڈھی نے ہر کوئی کا خلاصہ اردو کے چند جملوں میں کر رکھا تھا، طلبہ کو وہ اور اس کا ماغذہ از بر کرنا پڑتا تھا، اسی طرح ہر سورہ کا عمود یعنی مرکزی مضمون مقرر تھا۔“ (۵۰)

اس طریقہ تفہیم کی بدولت قرآن مجید کا ہر کوئی ماقبل و ما بعد سے مربوط ہو جاتا ہے۔ اور اس رابط کی بدولت کئی اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔ اور قرآن ہبھی کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔

(۵) فقہی مسائل کا استنباط:

مولانا موصوف عالم احل ہیں، فقہ میں آپ کی دلچسپی ہے، اور بالخصوص فقہ حنفی کے فلسفہ اور اس کے اصولوں کے ماہر و متخصص ہیں۔ اس لئے جہاں قرآن مجید میں انسانی مسائل سے متعلق آیات آتی ہیں وہاں مولانا اپنے مخصوص انداز سے فقہی استنباط کرتے ہیں مثلاً عالمی زندگی کے حوالے سے نکاح، رضاعت، طلاق، اور وراثت وغیرہ امور میں مولانا لاہوری، مسائل کی نوعیت کے اعتبار سے فقہی استنباط اور فقہ حنفی کے اصولوں سے استخراج نتائج کرتے ہیں۔ اس باب میں کبھی آپ فقہاء احناف کی رائے کی تائید کرتے ہیں۔ اور کبھی اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اور بعض مقامات پر فقہاء احناف کے موقف و دلائل کے راجح ہونے کی وجوہات بیان کرتے ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ آپ بتاتے ہیں کہ فقہ حنفی کو ان ان معاملات میں قرآن کی موئیدات میسر ہیں۔ ایسے میں مولانا کا فہم قرآن اور فقہی تفہیم کی وسعت بیک وقت ہمارے سامنے آتی ہے اور مولانا اپنے خاص کلامی انداز میں آیات قرآنیہ اور فقہ حنفی کے فلسفہ میں توافق اور تطابق پیدا کرتے ہیں۔

ایسے میں متعلقہ آیات کی توضیح کے حوالے سے آپ کے حواشی کا عنوان ”مسائل مستنبطہ“ ہوتا ہے۔ (۵۱)

مولانا چونکہ ایک مضبوط اجتماعی فکر رکھتے ہیں اس لئے وہ فقہی مسائل سے اجتماعی و سیاسی استدلال بھی کرتے ہیں۔ جیسے سورہ بقرہ، آیت ۲۲۳ والو والدات یرضعن ---تا --- بصیر، کے حوالے سے تشرییجی نوٹ میں لکھتے ہیں:

”یہاں تک قرآن میں مرکزی حکومت کا ذکر تھا، اب آئندہ اس قانون کا ذکر ہے جو دوسری قوموں پر حکومت کے لئے ضروری ہے۔ نوازائیدہ بچے کے حق میں جس طرح دونوں ماں باپ

ترتیب کی کوشش کرتے ہیں، باپ تو روپے پیسے سے امداد کرتا ہے اور ماں دودھ پلاتی ہے اسی طرح حاکم اور رعایا کی متفقہ کوشش سے جو ملک فتح ہونگے وہاں کی رعایا کی مثال بعینہ نوزائیدہ کی سی ہو گی، لہذا حاکم کا فرض ہے کہ امن اتنا قائم رکھے کہ رعایا علوم صحیحہ اور تعلیم صحیح کو (جو بہذله شیر مادر کے ہے) ان لوگوں کو بخوبی پہنچا سکے اور ان کے اخلاق کی صحیح طریقہ پر تربیت ہو سکے۔ (۵۲)

سورہ بقرہ کی آیت ۳۳۷ کے حوالے سے عالمی مسائل اور اجتماعی و سیاسی معاملات میں کس لطافت کے ساتھ موافق و مطابقت پیدا کرتے ہیں:

”میاں بیوی کو متارکہ کے وقت آپ میں عفو اور فضل کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح راعی اور رعایا کے متارکہ کے وقت بھی ایک دوسرے پر عفو اور فضل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً راعی جاتے جاتے نافذ کردہ اصلاحات کو مٹانے کی کوشش نہ کرے اور رعایا پر رخصت کرتے وقت راعی کو نہایت عزت و احترام اور خلوص سے رخصت کرے۔“ (۵۳)

(۶) حکیمانہ انداز:

قرآن کی اپنی ایک الگ شان ہے۔ اس کے مباحث میں جو اشارے کئے ہیں ان کو سمجھنا اور ان کی ایسی توجیہ کرنا جو دفع اشکال ہو اور قاریٰ قرآن کو ولکن لیطمین قلبی کی کیفیت بھی عطا کرے۔ اس تفسیری حاشیہ میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں مولانا احمد علی، قرآنی مقامات کی ایسی حکیمانہ توضیح کرتے ہیں جو دفع اشکالات ہوتی ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، انہیں مسجد ملائک بنانا فرشتوں کے ساتھ، اللہ کا مکالمہ کرنا وغیرہ۔ اس تناظر میں جنت کی سکونت کی لمبیت سمجھنیں آتی۔ مولانا موصوف، سورہ البقرہ کی آیت ۳۵، وقلنا يادم اسکن انت کے تحت لکھتے ہیں:

”دونوں حضرات قانون خلقتِ انسان کے خلاف پیدا ہوئے ہیں لہذا چند روز کے لئے جنت میں قیام کروایا گیا،“ (۵۴)

یہ چھوٹی سی عبارت کس خوبی سے اشکالات کو حل کرنے کا سبب بن رہی ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بحکم الہی اپنی قوم کو لے کر نکلنے اور اللہ نے انہیں خلال، عیون، اور من وسلوی کی نعمتیں عطا کیں، یہاں قوم بنی اسرائیل کی غلامانہ نفیسیات عود کر آئیں۔ اور انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ اللہ سے عرض کرو کہ ہمیں ارضی سبزیات دیں۔ اس مطالبه کی اصل ان کی ذہنی پستی و خونے غلامی تھی اس مقام کو مولانا لاہوری کہنی حکیمانہ بصیرت سے حل فرماتے ہیں:

”بیہود کا قریب سے نکل کر دوبارہ جنگل میں آنا اور موسیٰ علیہ السلام کے مجرے سے پانی کا ملنا، پھر عالم مثال کی قوی سے پیدہ شدہ پاکیزہ ترین لطیف غذا کی بجائے مادی اور کثیف غذا کا مطالہ جو پہلی غذا بہت ہی کم درجہ رکھتی ہے۔ پھر شہری زندگی میں قدم رکھنا اور وہاں بھی ناکام رہنا ذلت و مسکنت، غضب اللہ، کفر بآیات اللہ، قتل الانبیاء، عصیان یا عدوان، ان تینوں نمبروں میں جو ذکر میں سب پر مقدم ہے وہ تحقیق میں سب سے موخر اور جو ذکر میں سب سے موخر ہے وہ تحقیق میں سب پر مقدم ہے۔“ (۵۵)

(۷) افکارِ ولی اللہی کی ترجمانی:

مولانا کا خصوصی وصف، جو انھیں اپنے معاصرین سے ممتاز کرتا ہے، وہ حضرت شاہ ولی اللہ کی قرآنی بصیرت کو اول تا آخر پنے اندر سمولینا ہے۔ چنانچہ آپ کے تفسیری حواشی میں حضرت شاہ ولی اللہ کی فکر کا عکس غالب و نمایاں ہے۔ شاہ صاحب کی مخصوص قرآنی اصطلاحات، جیسے تذکیر بـاللـہ، تذکیر بـایـامـالـلـہ اور مخاصمہ بالیہود و ملائیں اے انطاہ تیزی سے خلا کرتا تھا اور اس کے متعلقہ لکھتے تھے۔

”بَذَ كَمْ مَا إِعَادَ اللَّهُ كَذَرْ لَعْنَ سَدْعَوْتِ الْمَلَائِكَةِ التَّحْمِيدِ“ (٥٦)

اس طرح کی کئی مثالیں مذکورہ ترجمہ و حواشی میں موجود ہیں۔ جہاں پرمولانا احمد علی لاہوری، شاہ صاحب کی وسعت فکر و نظر اور اجتماعی نظم و سیاست کے حوالے سے مولانا لاہوری ان سے بھرپور استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔

(۸) ولی اللہی انکار سے خصوصی استفادہ کے اثرات و ثمرات:

حضرت شاہ ولی اللہ، کی فکر و فلسفہ میں جو وسعت، تعمق اور جامعیت کی شان ہے۔ اس سے استفادہ کے سبب دین کے ہر شعبے کی جامع تعبیر کی جاسکتی ہے۔ جس کی بدولت باہمی انتشار و افتراق پر قابو پا کر معاشرے کی عملی، فکری اور اصلاحی و جامع تعمیر و تطہیر کی جاسکتی ہے۔ حضرت لاہوریؒ، چونکہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے شاگرد ہیں۔ اس لیے حضرت لاہوریؒ کے ہاں علوم ولی اللہی سے اخذ و استفادہ و سیع بنیادوں پر کیا جاتا ہے۔ کہیں معیشت و اقتصاد کی بحث ہو یا اجتماعیت و سیاست کا کوئی شعبہ ہو، اس ترجمہ و حاشیے میں فکر ولی اللہی پس منظر میں صاف جھلکتی و کھلائی دیتی ہے۔ جسے سورۃ الحشر کے دوسرے رکوع کے خلاصے میں لکھتے ہیں:

”فانے سلطنت کے اسباب، تفصیل یہ ہے کہ جس وقت کسی قوم میں منافق پیدا ہو جائیں جو باظاً ہر ایسی قوم سے ملتے رہیں اور در پرده ایسی قوم کے دشمنوں سے ساز باز رکھیں اور بچائے ایسی قوم کے

دشمنوں کی خیرخواہی میں منہمک رہیں ایسے وقت میں اس قوم کی سلطنت کو زوال آتا ہے۔ لہذا اس رکوع میں مسلمانوں کو اس نالائق طبقے کے حالات سے مطلع کیا گیا ہے۔ تاکہ ان سے بچیں۔“ (۵۷)

شاہ صاحب جس طرح فلسفیانہ انداز میں بات سمجھاتے ہیں۔ اور مسلسل عقلی دلائل دیتے ہیں۔ مولانا احمد علی بھی ان کے تسبیح میں اسی طرح کا کلامی اور عقلی انداز اختیار کرتے ہیں۔ جیسے ”خراکنَ قدرتُ اللَّهِيْهِ اَمْ رَهِيْهِ ہیں اور خدا نے قدوس وحدہ لاشریک لئے عقل دے دی ہے لہذا عقل کے ذریعے ترکیب و تخلیل اشیاء سے رزق کماو“۔ (۵۸)

(۹) شاہ ولی اللہ جیسا تطبیقی و توافقی انداز:

مختلف و مخالف آراء میں باہم مطابقت پیدا کرنا، شاہ صاحب کا خاص فن ہے۔ کبھی یہ تطبیق، فقہی معاملات میں پیش آتی ہے اور کہیں فہم قرآنی میں۔ اس میں ایسا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے جو جدت و ندرت کے ساتھ ساتھ دین و دنیا میں مطابقت پیدا کر دے۔ سورہ آل عمران کی آیت ۱۳ کے بیانِ ربط میں لکھتے ہیں:

”حق پرستوں کی کامیابی کا باعثِ اصلی یہ ہے کہ خُدا پرست میدانِ جنگ میں مرنے کے لیے آتا ہے اور آخرت کا منکر کافرنچے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ مرنے کے خیال سے میدان میں آنے والا ایک بھی ایسے ہزار آدمیوں پر بھاری ہو سکتا ہے جو جان بچانے کو مقصد بنا کر آئیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو قانون کا پابند بنانے کے لیے دُنیاوی لذات ترک کر دی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کو ان سے بہتر نعمتیں ملیں گی۔ دُنیاوی چیزوں اور موعودہ چیزوں میں اشتراکِ محض لفظی ہے۔ یہ تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور اعلیٰ فلاسفہ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔“ (۵۹)

(۱۰) شاہ ولی اللہ کی علمی اصطلاحات کا استعمال:

فضل مترجم کا قرآنی بصیرت کے حوالے سے ایک خصوصی مرجع حضرت شاہ ولی اللہ کی ذات گرامی ہے ان کی فکر کا عکس یہاں حاشیہ و ترجمہ میں دکھائی دیتا ہے اور شاہ صاحب کی اصطلاحات کو اکثر جگہ استعمال کیا جاتا ہے فضل مترجم نے اپنے ترجمے و حواشی میں اس کا خاص لحاظ رکھا ہے۔ جیسے الفوز الکبیر میں ”علومِ خمسہ“ کی اصطلاح اور شاہ صاحب کی دیگر جامع اصطلاحات کو ترجمہ و حواشی میں جا بجا استعمال کرتے ہیں۔ جیسے سورہ البقرہ کے رکوع نمبر ۳ میں؛ تذکیر بالاء اللہ سے منافقین کی اصلاح کا قانون۔ (۶۰)

اسی طرح سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۳ کا ربط بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں؛ تذکیر بالاء اللہ سے متاثر ہو کر اگر

اللہ سے رابطہ جوڑنا چاہتے ہو تو انتباع قرآن کرو۔ (۶۱)

پھر سورۃ بقرہ کے روکنے نمبر چھٹا خلاصہ کا عنوان ہے ”تذکیر باللہ و بما بعد الموت سے یہود کو دعوت الی الکتاب۔“ (۶۲)

جس کثرت و تواتر سے آپ نے ولی اللہی اصطلاحات کا استعمال اور استفادہ کیا ہے، شاید ہی کسی دیگر مترجم و مختصر نے اس وسعت کے ساتھ اخذ و استفادہ کیا ہو۔

(۱۱) مخاصمه کا ولی اللہی انداز:

الفوز الکبیر میں مذکور ”علومِ خمسہ“ میں ایک علم ”علمِ مخاصمه“ ہے۔ جس میں شاہ ولی اللہ نے مخاصمه بالیہود و الحصاری والمنافقین کے انداز کی وضاحت اور اس کی متعدد قرآنی امثلہ پیش کی ہیں۔ فاضل مترجم نے اپنے حواشی میں مخاصمه کی کہیں اصطلاح استعمال کی ہے اور کہیں اس مخاصمه کے انداز سے استفادہ کیا ہے۔ بدی انظر میں یوں لگتا ہے کہ جیسے علومِ ولی اللہی سے استنباط کیا جا رہا ہے۔ جیسے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۷ تا ۸۰ کا ربط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ ذو وجہین ہیں، ان کی شرارت اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتی، ہجھال یہود کا مبلغ علم، علمائے یہود کا علمی مذاق باوجود سابقہ کمزوری کے اپنی نجات کا وثوق،“ (۶۳)

سورۃ البقرہ کی آیت ۹۱ تا ۸۹ کا ربط آیت ملاحظہ ہو:

”جس کتاب کی تعلیم کو قلوپنا غلف کہہ کر ٹال رہے ہیں اس کے نزول سے پہلے اسی کی برکت سے دشمنوں پر فتح کی دعا میں ماٹا گا کرتے تھے۔ قرآن مجید سے انکار حکم اس لیے کر رہے ہیں کہ یہ نعمت بجائے بنی اسرائیل کے بنی اسماعیل کو کیوں عطا ہوئی۔ قرآن پر ایمان کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم فقط تورات کو مانتے ہیں حالانکہ قرآن حکیم اور تورات اصولاً دونوں ایک ہیں دراصل تورات پر عمل کرنے اور ماننے کا دعویٰ بھی غلط ہے۔ ورنہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کو قتل نہ کرتے۔“ (۶۴)

ان مقامات میں جامع انتصار کے ساتھ فکرِ ولی اللہی سے استفادہ صاف نظر آ رہا ہے۔ اسی طرح منافقین اور نصاریٰ کے ساتھ ولی اللہی انداز کے مخصوصے کی کئی امثلہ، اس ترجمہ و حواشی میں موجود ہیں۔ (۶۵)

خلاصہ بحث:

مولانا احمد علی لاہوری کے تفسیری حواشی اپنی ان خصوصیات، خلاصہ سور و روکن، استنباط مسائل، تقطیم قرآن

کے اہتمام اور شاہ ولی اللہ کے افکار سے استفادہ کے سبب بہت جامع و مانع اور ہمہ گیر ہیں۔ ان حواشی کی ایک خصوصیت نے قرآنی عنوanات قائم کرنا ہے۔ جن میں ندرت فکر کے ساتھ ساتھ اتنی تازگی ہے وہ آج کے حالات پر بھی منطبق ہو سکتے ہیں۔ جیسے سورہ اہب کا یہ خلاصہ کس قدر فکر انگیز اور لمحہ موجود سے بھی متعلق ہے، ”دین میں حارج، نوع ابی اہب میں داخل ہے۔“ اس طرح کے متعدد عنوanات، استنباط فکر کی ندرت کے سبب بڑے منفرد ہیں۔ باس وجہ، یہ تفسیری حاشیہ ایک طرف اسلاف کی فکر کا نماشندہ ہے، دوسری جانب آج کے حالات میں بھی ہماری بھرپور رہنمائی کرتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مولانا کی قرآنی فکر کو عام تر کیا جائے تاکہ معاشرے کے اندر ایک فکری وسعت اور کشاوگی پیدا ہو۔ دوسرے کے موقف کو سننا اور دلیل کے ساتھ روکردنے کا علمی سلیقہ آئے۔ مولانا اپنے حواشی میں متعدد جگہ فرماتے ہیں: ”قرآن یہ بات وہ ہے جسے زمانہ کے عقلااء و فلاسفہ بھی مانتے ہیں۔“ گویا یہی معاصر فکر کے اندر روشی اور ندرت کا انداز ہے۔ کہ عالمگیر و آفاقی حقائق اور قرآنی تعلیمات کو اس طرح ساتھ لے کر چلا جائے کہ قرآنی نتائج فکر کی عقائد اور زیرِ انسان کے لئے اجنبی نہ رہیں۔ شاہ ولی اللہ کی فکر اصل میں اسی ”علمی عقلی انقلاب“ کی علمبردار ہے۔ اور حضرت احمد علی لاہوری اسی فکر کے شارح ہیں۔ اور دنیا میں بالخصوص بر صغیر پاک و ہند میں حقیقی معنوں میں فکری اور عملی انقلاب اگر آیا وہ اسی قرآنی اور فکری و عقلی بنیاد پر آئے گا۔ فرقہ ورانہ جگڑ بندیوں اور سوچ کی محدودیت نہیں آج ہمارے فکری اضحاک کو تیز کر دیا ہے اس کو روکنے کا ذریعہ بھی یہی انقلابی فکر ہے۔ جسے عام تر کرنے کی ضرورت ہے کہ اسی پر مشرق و مغرب کے عقلااء اکٹھے ہو کر دنیا کو امن عالم کی نوید سے سکتے ہیں۔ اور لیقوم الناس بالقسط پر مبنی نظام غالب کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

- (۱) عبد الحکیم ثرف الدین، ڈاکٹر، قرآن حکیم کے اردو تراجم، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۹۸۱ء، ص ۸۲، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے
- (۲) عثمانی، محمد ندیم، پروفیسر، ڈاکٹر، اردو میں تفسیری ادب، مطبوعہ کراچی، ۱۹۹۶ء
اصلاحی، محمد اجمل، قرآن کریم کے چند اردو تراجم کا لغوی جائزہ، علوم القرآن، (ششمہی)، شبلی باغ علی گڑھ، انگلیا، ۲۰۱۱ء، نمبر ۲۶، شمارہ ۱۰، ص ۸۰

- (۳) احمد خان، ڈاکٹر، قرآن کریم کے اردو تراجم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۱۲، پھر تراجم قرآنیہ کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اس میں مکمل تراجم کے ساتھ ساتھ کچھ سورتوں و پاروں کے تراجم بھی کیے گئے، ڈاکٹر، احمد خان ان تراجم کے تین ارتقائی ادوار کی نشاندہی اس طرح سے کرتے ہیں۔
- (الف) ایسے تراجم جو تحت اللفظ یا پھر قرآنی کلمات کی تسبیح میں تدوین ہوئے ایسے تراجم لفظی تفہیم، زبان دانی اور قرآن کے ظاہری مفہوم کی ادائیگی کے لئے زیادہ موزوں تھے اس لئے اس ابتدائی درجے کے تراجم میں الفاظ کی طرف خاص دھیان اور الگ الگ کلمات کے معنی کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔
- (ب) بیسوی صدی کی ابتدائی میں قرآن بھی کی طرف خصوصی دھیان دیا گیا۔ الفاظ و کلمات کی بجائے جملوں اور مفہوم کی طرف توجہ مبذول ہوئی قرآن کی ساخت مقصود و مطلوب زیادہ پیش نظر رہنے لگا۔ چنانچہ اس عرصے کے تراجم میں جو غالباً فاطری عمل تھا فکر مغرب سے تصادم کے کچھ اثرات ظاہر ہونے لگے۔
- (ج) تا ہم ایک وقت آیا کہ علماء نے اپنی پرانی سوچ سے ہٹ کر علوم معاصر کی نہ صرف واقفیت پیدا کی بلکہ ان علوم کو پانی تالیفات اور خاص طور پر قرآن کریم کے تراجم میں خاطر خواہ جگہ دی۔ موجودہ عہد اس آخری گروپ کی بین مثال ہے۔ حوالہ بالا، ص ۱۵، ۱۷، ۱۹۹۸ء میں نیز دیکھئے عبد الحق مولوی، پرانی اردو میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر، ص ۷۷۔

(۴) قاسمی، سعود عالم، مولانا، شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر کا مطالعہ، الحمودا کیڈی، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰۶

(۵) شاہ ولی اللہ دہلوی، فتح الرحمن، مقدمہ، تاج کمپنی لاہور، ۱۹۵۰ء، ص ۳

(۶) شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر کا مطالعہ، دارالکتاب، لاہور، ص ۱۱۰

(۷) شاہ ولی اللہ، مقدمہ فتح الرحمن، مطبوعہ تاج کمپنی، کراچی، ص ۲

(۸) اس میں متن قرآن کے قریب ترہ کر ترجمہ کی دشوار گزار گھٹائی کو سر کیا گیا ہے۔ اس کی معنی خیزی خوب ہے لفظی ترجمہ ہونے کی وجہ سے شاہ رفیع الدین کی اس کاوش سے لوگ متن قرآن کے قریب ہو کر قرآن کو کچھ نہ کچھ سمجھنے لگے۔ لیکن حل اشکالات کے ضمن یہ ترجمہ پوری طرح تشفی نہیں کرتا۔

(۹) (الف) شاہ عبدالقدار صاحب لکھتے ہیں:

”اس بندہ عاجز عبد القادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بہت بڑے عالم، حدیثیں جانتے والے، ہندوستان کے رہنے والے (نے) فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے ہیں اسی طرح عاجز نے ہندی زبان (اردو) میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے۔ الحمد للہ یہ آرزو ۱۴۰۵ھ (۱۹۸۷ء) میں حاصل ہوئی۔“

(ب) شاہ عبدالقدار، موضع القرآن، دیباچہ قرآن کریم، تاج کمپنی، لاہور، ص ۸

(۱۰) ترجمہ مولانا محمد حسن، شیخ الہند، ملک فہد پر لیں، مدینہ منورہ، سعودیہ عربیہ، سال اشاعت: ۲۰۰۷ء، ص ۲۰۸

(۱۱) اخلاق حسین قاسمی، مولانا، محاسن، موضع قرآن، ذوالنورین اکیڈمی، بھیرہ ضلع سرگودھا، ۱۹۸۳ء ص ۱۷۱

(۱۲) جیلانی کامران، تقدیم کیا پس منظر، مکتبہ ادب جدید، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۲۳

(۱۳) (الف) مولانا اخلاق حسین قاسمی اس ترجمہ کی تاریخ اور کیفیت سے آگاہ کرتے ہیں:

”ایک ترجمہ شاہ علم کے عہد میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی سرپرستی میں کیا گیا، اس نے بیہاں ایک دارالترجمہ قائم کیا تھا۔ اور علماء کی ایک جماعت اس کام پر مامور تھی۔ اس کی تکمیل ۱۸۰۲ء، ۱۲۱۹ھ میں ہوئی۔ یہ ترجمہ طبع نہیں ہوا کہ اس کے دو قلمی نسخے آج بھی موجود ہیں ایک قلمی نسخہ ایشیا ملک سوسائٹی کلکتہ میں ہے اور دوسرا نواب سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں ہے

اس کی زبان کا نمونہ یہ ہے:

”خدا کے نام سے جو بڑا بخششے والا، بمحنت دینے ہارا ہے۔ ہر ایک حمد خدا کی ہے کہ وہ مالک سب کا بخششے ہارا۔ روزی دینے والا، خداوند روز قیامت کا ہے۔“

(۱) یہ قدیم ترجمہ ہے جو حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ کی تکمیل ۱۲۰۵ء کے ۱۳ سال بعد شروع ہوا۔ اور ایک ہی سال میں کمل ہو گیا۔

(۲) ایک بڑی جماعت نے بڑی محنت کے ساتھ مرتب کیا۔ زبان اور محاورات کو درست کرنے کا بڑا اہتمام کیا گیا۔

(۳) اس دور کا یہی ایک مکمل ترجمہ آج بھی قلمی صورت میں موجود ہے جس کی زبان کا مقابلہ شاہ صاحب کی زبان سے بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ شاہ صاحب مسجد اکبر آبادی کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر تن تھا اپنا ترجمہ لکھ رہے تھے اور دوسری طرف ایک بڑی جماعت اس کام میں مصروف تھی اور سرکار انگلشیہ اس کی سرپرستی کر رہی تھی۔

رقم نے اس مشترکہ کوشش سے وجود میں آنے والے ترجمہ کا جگہ جگہ سے موضع قرآن کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھا۔ تو اس بات کا اندازہ ہوا کہ شاہ صاحب نے مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر موضع قرآن میں زبان و بیان کا جو نمونہ پیش کیا ہے اور ساتھ ہی جو علمی لاطائف اس میں پوشیدہ فرمائے ہیں اس کی عظمت اس وقت بھی مسلم تھی اور آج بھی مسلم ہے۔ یہ جماعت علماء مل کر بھی صرف زبان و بیان کی وہ لاطافت پیدا نہ کر سکی جو اس اکیلے درویش صفت انسان نے اپنے اس ترجمہ میں پیدا کر دی۔“

(ب) محاسن موضع قرآن، ص ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸

(۱۴) (الف) حضرت شیخ الہند مزید تفصیل بیان کرتے ہیں..... ”الغرض فصل وبعد سے احتراز رکھتے ہیں الاما شاء اللہ

کسی خاص ضرورت کے وقت میں دو تین کلوں کا فصل ہو جائے اور وہ بھی نادر کا لامعہ۔ دیکھنے عربی زبان میں مضاف کو مقدم ذکر کرتے ہیں اور اردو کا محاورہ یہ ہے کہ مضاف الیہ کو مقدم کرتے ہیں۔۔۔ حضرت شاہ صاحب کی احتیاط قابل تحسین اور لائق قدر ہے کہ اس پر بھی ہر جگہ مضاف الیہ کو مقدم نہیں کرتے بلکہ جہاں ترجمہ میں ذرا گنجائش مل جاتی ہے وہاں اتنے قلیل تغیر کو بھی پسند نہیں کرتے۔ ترتیب قرآنی کو ہی اختیار فرماتے ہیں۔

(ب) ترجمہ شیخ البند، ص ۹، ۱۰

- (۱۵) شاہد علی، سید، ڈاکٹر، اردو تفاسیر میں میں صدی میں، کتابی دنیانی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۸۲
- (۱۶) ترجمہ، مولانا احمد علی لاہوری، انجمن خدام الدین، لاہور، ص ۸
- (۱۷) حوالہ بالا، ص ۸۷
- (۱۸) محسن، موضع قرآن، ص ۲
- (۱۹) قاضی، زاہد الحسینی، محمد، تذکرۃ المفسرین۔ دارالارشاد، اٹک، پنجاب ۱۴۲۵ھ، ص ۳۳۷
- (۲۰) محسن موضع قرآن، ص ۸۲۱
- (۲۱) (الف) دہلی قیام کے زمانے میں مولانا سندھی کے حکم سے تین حضرات نے آگرہ کا تبلیغی سفر کیا جس میں آپ بھی تھے یہ سفر ہندوؤں کی شدھی تحریک (یعنی مسلمانوں کو مرتد کرنے) کے خلاف انہیں اسلام پر قائم رکھنے کے لیے تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے خوب برکت دی بڑا دینی فتح ہوا اور ہزاروں کا ایمان سلامت رہا۔ اسی دوران بعض علی گڑھی حضرات کی خواہش پر مولانا سندھی نے آپ کو علی گڑھ بھیج دیا۔
- (ب) مترجمہ قرآن، مولانا لاہوری، تعارف، ص ۳۹، ۵۰
- (۲۲) حوالہ بالا، ص ۵۰
- (۲۳) مترجمہ قرآن، مولانا لاہوری، تعارف، ص ۵۱
- (۲۴) ندوی، ابو الحسن علی سید، پرانے چراغ۔ مجلس نشریات اسلام کراچی۔ ص ۱۳۲
- (۲۵) محسن، موضع قرآن، ص ۳۷۲، ۳۵۰
- (۲۶) محسن موضع قرآن، ص ۳۶۱
- (۲۷) معارف، عظیم گڑھ، کمال اللہ، بختیاری، ندوی، ڈاکٹر، مولانا احمد علی لاہوری کے تفسیری نکات اور قرآنی مقدمات شمارہ جون، ۲۰۱۲ء، ج ۱۸۹، عدد ۶، ص ۳۳۵
- (۲۸) پرانے چراغ، ص ۱۳۸-۱۳۹
- (۲۹) ایضاً ص ۱۵۱
- (۳۰) مولانا احمد علی لاہوری کے تفسیری نکات اور قرآنی مقدمات، شمارہ جون، ۲۰۱۲ء، ج ۱۸۹، عدد ۶، ص ۳۳۲

(۳۱) پرانے چراغ، ص ۱۳۲،

(۳۲) القصص، آیت ۸۳

(۳۳) (الف) حدیہ بدرگاہِ ربِّ البرّت: اے اللہ! تو نے محض اپنے فضل و کرم سے قرآن حکیم کی یہ خدمت ادا کیں انہم خدامُ الدین سے ملی ہے۔ یہ تیری ہی چیز تیری بارگاہ میں ہدیۃ پیش کی جاتی ہے۔ تو اسے قبول فرما۔ اس میں حصہ لینے والوں کی نجات آخوت کا ذریعہ بنا اور سب مسلمانوں کے لیے ہدایت کا سبب بنا۔ آمین یا اللہ العالمین۔ احقر الانام احمد علی عفی عنہ

(ب) ترجمہ، مولانا لاہوری، ص ۱، ب

(الف) ان علماء میں بالترتیب علامہ انور شاہ کاشمیری، مولانا حسین احمد مدینی، مفتی محمد کفایت اللہ، مولانا سید محمد سلیمان ندوی، مولانا سلطان محمود صاحب، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا محمد الدین (پروفیسر اور بنیٹل کالج لاہور)، مولانا ابو محمد احمد صاحب،

مولانا عبد العزیز خطیب گوجرانوالہ، مولانا عبد اللہ صاحب، مولانا غلام صدیق صاحب، مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی اور مولانا محمد چراغ صاحب، شامل ہیں۔

(ب) ترجمہ مولانا احمد لاہوری، شخص، ص ۳۳ تا ۱۸۱

(الف) ان ابواب کی تفصیلی فہرست اس طرح سے ہے ”ابوابِ الرسالہ میں سولہ عنوانات دیے گئے ہیں۔ پھر تقدیر الہی اور قرآن مجید کے متعلق چار عنوانات ہیں۔ ساتھ ہی مجرمات اور خوارق عادات امور نیز فرشتے اور ان کے فرائض پر ایک ایک باب ہے۔ کتاب القیمتہ پندرہ ابواب پر مشتمل ہے اور کتاب الطہارۃ کے چار عنوانات ہیں۔ کتابِ اصولۃ کے چودہ ابواب ہیں۔ اسکے بعد کتاب الزکوۃ اور کتاب الصیام ہیں۔ پھر کتاب الحج کی تفصیل تیرہ ابواب تک پھیل گئی ہے۔ کتاب النکاح کے چھ ابواب ہیں۔ اور کتاب الرضاع ایک ہی باب پر مشتمل ہے۔ کتاب الطلاق کے تیرہ ذیلی عنوانات ہیں۔ کتاب السرقہ کے دو باب ہیں۔ حدود و تعریفات اور احکام پرده نیز وصیت و میراث کے متعلقات کے لئے ایک ایک باب مختص ہے۔ کتاب السیوع کے دو ذیلی ابواب، خرید فروخت اور سود کے بیان پر بحیط ہیں۔

کتابِ الجہاد میں باب کی بجائے سترہ مختلف جامع عنوانات دیے گئے ہیں جن میں غزوات کے حوالے اور جہاد کی ہدایات وغیرہ دی گئی ہیں۔ قصص القرآن میں مختلف قصص قرآنیہ بیشمول قصص انبیاء کے عنوانات تیس تک ہو گئے ہیں۔ حقوق العباد کے ذیلی عنوانات پندرہ ہیں۔ قرآن حکیم کی دعا کیں اور امثال القرآن کے عنوان کے تحت متعلقہ آیات کی تفصیل سورۃ اور کوئی کے حوالوں سے مزین کی گئی ہے۔ آخری باب ”باب الادب“ ہے جس کے ذیلی عنوانات کی تعداد آٹھ ہے۔

(ب) مترجمہ قرآن، مولانا لاہوری، ص ۳۶۱۹

(۳۶) ”اعلان قوله تعالیٰ: يَا يَهُوَ الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخْوِنُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَلَا تَخْوِنُوا إِمَانَاتُكُمْ وَإِنْتُمْ تَعْلَمُونَ“ (انفال، آیت ۲۷)

”اللہ تعالیٰ نے بندہ سے قرآن کی ایک نئی خدمت لی ہے یعنی ہر سورت کا عنوان، ہر رکوع کا خلاصہ اس کا مأخذ اور بالاتر امام ربط آیات۔ میں نے اس کا حق تصنیف انجمن خدام الدین کو دے دیا ہے تاکہ بوقت ضرورت ہر دفعہ محمدہ طور پر طبع کرا کر خلق اللہ کے ہاتھوں میں پہنچائے اور اس کا نفع دوسرے دینی کاموں میں لگائے، اور بغرض تجارت جلب زکر کرنے والوں کے ہاتھوں میں یہ چیز نہ جائے۔ لہذا سوائے انجمن موصوف کے کسی صاحب کو ان مضامین کے شائع کرنے کی اجازت نہیں۔ (احقر الانام، احمد علی عفی عنہ)“

(ب) ترجمہ مولانا لاہوری، ص ۹۹۹

(۳۷) حوالہ بالا، ص ۳

(۳۸) حوالہ بالا، ص ۴۲۱، ۴۲۳

(۳۹) حوالہ بالا، ص ۹۲۳

(۴۰) ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری، ص ۸۹۷

(۴۱) حوالہ بالا، ص ۹۰۱

(۴۲) حوالہ بالا، ص ۲۹۳

(۴۳) حوالہ بالا، ص ۳۲۳

(۴۴) حوالہ بالا، ص ۹۱۲

(۴۵) ترجمہ مذکور ص ۹۵۲

(۴۶) ترجمہ ہذا، ص ۳

(۴۷) حوالہ بالا، ص ۱۰۱

(الف) اس طرح کہ خلاصے کہ جن میں شاہ صاحب کی اصطلاحات کو کام میں لایا گیا ہے اور اجتماعی فکر کے حامل جامع خلاصے بیان کیے گئے ہیں۔ سورہ مومن کے پانچویں رکوع کا خلاصہ میں لکھتے ہیں مخالفین قرآن کے لئے انذار بضم تذکیر بما بعد الموت و بایام اللہ

(ب) حوالہ بالا، ص ۵۲۷

(۴۸) ترجمہ مولانا لاہوری، ص ۱۳

(۴۹) حوالہ بالا، ص ۹۳۶

- (۵۰) پرانے چراغ، ص ۱۳۳
- (۵۱) ملاحظہ ہو ترجمہ مذکور، ص ۵۵، ۵۷، ۵۹، ۶۰، ۶۱
- (۵۲) ترجمہ قرآن، مولانا احمد علی، لاہوری، ص ۵۸۱
- (۵۳) حوالہ بالا، ص ۲۰
- (۵۴) حوالہ بالا، ص ۹
- (۵۵) حوالہ بالا، ص ۱۳
- (۵۶) حوالہ بالا، ص ۲۲۷
- (۵۷) ترجمہ مولانا لاہوری، ص ۳۷۸
- (۵۸) حوالہ بالا، ص ۳۸
- (۵۹) حوالہ بالا، ص ۸۱
- (۶۰) حوالہ بالا، ص ۶
- (۶۱) حوالہ بالا، ص ۷
- (۶۲) ترجمہ مذکور، ص ۱۱
- (۶۳) حوالہ بالا، ص ۱۸
- (۶۴) حوالہ بالا، ص ۲۱
- (۶۵) ترجمہ مذکور، دیکھئے خلاصہ روکوعات سورہ بقرہ، ص ۸۲، ۹۶

